اکائی : خطبات اقبال کا فکری وفنی مطالعہ

اکائی کے اجزا :

1. تمہید
2. مقاصد
3. خطبات اقبال کا فکری وفنی مطالعہ
4. خطبہ برائے مطالعہ
5. اکتسابی نتائج
6. کلیدی الفاظ
7. تجویز کردہ اکتسابی مواد

Edit with WPS Office

1 - تمہید :

اقبال بیسویں صدی کے مسلمان متکلمین اور مفکرین میں بہت نمایاں ہیں اور جو اسلام میں تحریک تعقل کے پر جوش موید تھے، فلسفہ جدید کے ماہر ہونے کی وجہ سے انہیں اس بات کا پورا پورا احساس تھا کہ کسی بھی تہذیب کی فکری بنیاد فلسفے پر ہی استوار ہوا کرتی ہے اور اقوام عالم اپنے مخصوص فلسفے کے سہارے ارتقاء کی منزلیں طے کرتی اور سیاسی ، ثقافتی ، عمرانی تعلیمی اور معاشی تقاضوں سے عہدہ برآ ہوتی ہیں ۔ اپنے مخصوص فلسفہ حیات سے گریز کر کے ہر تہذیب پہلے زوال آمادہ اور رفتہ رفتہ موت کا شکار ہو جاتی ہے۔ تہذیبی زوال آمادگی کا مرض اس وقت لاحق ہوتا ہے۔

ان حالات میں اور کچھ ایسی ہی سوچ کے تحت اقبال نے فکر اسلامی کی تشکیل جدید کا بیڑا اٹھایا اور مسلمان دانشوروں، ذہین افراداور طبقہ علماء کے لیے ایسے راستے تجویز کیے جو روشن اور جاندار مستقبل کی طرف لے جاتے ہو۔ وہ خود خطہ مشرق کے فرد تھے اس لیے مشرقی روایات کی مخالفت کرنا ان کے لیے ممکن نہ تھا۔ انہیں ان روایات پر ناز بھی تھا۔ دوسری طرف مغربی افکار کو تمام تر ردکر دینا بھی عالمانہ دیانت داری کے خلاف تھا لہذا اپنے خطبات میں اقبال نے پوری کوشش کی کہ فکر و دانش اور علوم فنون کے میدان میں مسلمانوں نے جو کچھ کیا ہے اسے گنایا جائے۔ اقبال نے مشرق ومغرب کے افکار کو متناسب اور موزوں امتزاج کے ساتھ قرآنی معیارعلم پر جانچ کرنئی اسلامی فکر کا موضوع بنایالیکن مغرب سے بس اسی قدر تعلق رکھا کی متکلم کی حیثیت سے سائنسی رویے اور محسوسات سے رابطہ رکھا جائے کہ (بقول اقبال) یہ بھی اصل میں اسلامی فکر ہی کی میراث ہے ۔ تا ہم اقبال نے کہیں اور کبھی تہذیب و ثقافت کے ان پہلوؤں کو قبول نہیں کیا، جو دینی اقدار کے برعکس تھے۔ ان کے نزدیک مشرق کی اخلاقی اور مذہبی فضا صرف اس لیے زہر آلود ہوئی کہ عقیدہ آخرت کے بارے میں مسلمانوں نے مایوس کن غور وفکر کا ثبوت دیا۔ ان حالات میں اس بات کی ضرورت تھی کہ اسلامی فکرِ نو کی تشکیل جدید محسوس حقائق ہی پر استوار کی جائے۔

اقبال اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے کہ مسلمانوں نے اپنی نا اہلی اور روحانی افلاس کے سبب وحدتِ ملت کے مفہوم کو وطنیت اور قوم پرستی میں گم کر دیا ہے اور وہ ایک طرح سے اپنے روحانی احیاء سے مایوس ہو کر نام نہاد تصوف کی فکری آسودی کی جانب نکل گئے ہیں۔ انہیں یقین تھا کہ اسلام اب بھی ایک زندہ قوت ہے جو ذہن انسان کو نسل و وطن کی قیود سے آزاد کر سکتی ہے۔ اس کے امکانات ابھی ختم نہیں ہوئے ہیں ۔

Edit with WPS Office

2- مقاصد :

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

1- خطبات کی تحریر کے مقاصد کو بیان کرسکیں۔
2- خطبات کے فکری لوازم سے واقف ہوسکیں۔
3- اقبال کے اہم فلسفیانہ تصورات کو بیان کرسکیں۔
4- جدید علوم اور سائنسی نظریات پر اقبال کے رد عمل کو واضح کرسکیں۔
5- مغربی فکر وفلسفہ پر اقبال کی تنقید کے اسباب وعلل کو بیان کر سکیں۔

3- خطبات اقبال کا فکری وفنی مطالعہ :

ڈاکٹر محمد اقبال نے مدراس مسلم ایسوسی ایشن کی دعوت پر 30-1929 میں الہیات اسلامیہ کی تشکیل جدید کے سلسلے میں چھ خطبے تحریر کیے جن میں سےتین مدراس میں اور تین علی گڑھ میں پڑھے۔ یہ خطبات انگریزی میں The Reconstruction of Religious Thought in Islamکے نام سے 1930 ء میں لاہور سے شائع ہوئے . پھر جب علامہ اقبال تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت کرنے کی غرض سے لندن گئے تو وہاں ارسطاطلین سوسا ئیٹی (Aristotelian Society of London)کی دعوت پر انہوں نے ایک خطبہ مذہب کی اہمیت وافادیت پردے دیا، جس کا عنوان Is Religion Possible تھا۔ علامہ اقبال کا یہ خطبہ بھی مذکورہ کتاب میں شامل کیا گیا اوران خطبات کا دوسرا ایڈیشن مئی 1934ء میں بعض لفظی ترمیمات کے ساتھ آکسفورڈ لندن سے The Reconstruction of Religious Thought in Islam کے نام سے منظر عام پر آیا .

علامہ اقبال کے یہ خطبات اسلامی حکمت اور مغربی فلسفہ کا نچوڑ ہیں۔ ان خطبات میں علامہ اقبال نے موجودہ زمانے کے فکری مسائل اور فلسفیانہ موضوعات پر اسلامی حکمت کے حوالے سے تنقید بھی کی ہے اور مغرب کے جدید علوم کی روشنی میں حکمت اسلامیہ کے بعض اہم مسائل کی تشریح کرنے کی کوشش بھی کی ہے اور اپنے یقین کی حد تک حضرت علامہ نے کامیاب کوشش کی ہے لیکن یہ بات بھی قابل غور ہے کہ کسی سوال کا قطعی جواب دینا فلسفہ کی حدود سے خارج ہے اور اس کی روح کے منافی ہے، البتہ فلسفہ موجودہ سوالات کو زیادہ قابل فہم انداز میں پیش کرنے کی کوشش ضرور کرتا ہے اور مسائل کی تفہیم میں نئے ربط اور نئی ترتیب کے ذریعے اُن کے نئے رخ اور نئی جہات کی تلاش اس

Edit with WPS Office

کے منصب میں داخل ہے ۔ چنانچہ علامہ اقبال نے خطبات کے مقدمہ میں فلسفے کی حدود اور طریق کار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: "فلسفیانہ افکار میں کوئی قطعیت موجود نہیں ہوتی ۔ میرے پیش کردہ نظریات سے ممکن ہے بہتر اور مناسب نظریات پیش کیے جائیں۔ ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم فکر انسانی کی روز افزوں ترقی کا بنظر غائر مطالعہ کرتے ہوئے آزادانہ تنقید کار اختیار کریں"۔

علامہ اقبال نے ان خطبات کی تیاری میں یہی طریق کار اختیار کرتے ہوئے انسانی فکر کاجوسرمایہ ان تک پہنچایااسکی تنقید اور تنقیح کر کے مختلف فلسفیانہ مسائل پر اپنی رائے کا اظہار کیا ہے اورایک مرتب نظامِ فکر پیش کرنے کی کوشش کی ہے جو اسلامی الہیات کی جدید تعبیر پر مبنی ہے۔ علوم جدیدہ کی اصطلاحات کی روشنی میں مذہبی واردات کے حوالے سے اسلامی الہیات کی یہ تشریح بذات خود بہت مشکل کام تھا۔ مزید برآں کہ اقبال نے اس کام کے لیے نہایت ادق اسلوب اختیار کیا۔ یہ خطبات دراصل انگریزی نثر میں اقبال کےحقیقی شاہ کار (Magnum opus) ہیں جن کی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر ان کے تراجم کا سلسلہ اقبال کی زندگی ہی میں شروع ہو چکا تھا۔ علامہ اقبال کے ایک قریبی دوست سید نذیر نیازی کو اس سلسلے میں یہ امتیاز اور اختصاص Specializationحاصل ہے کہ انہوں نے اقبال کی خواہش پر اُن کی حیات میں ہی ان خطبات کا ترجمہ کرنے کا بیڑا اٹھایا اور بزم اقبال لاہور سے اس شاندار کتاب کا اردو ترجمہ بعنوان تشکیل جدید الہیات اسلامیہ 1958ء میں منظر عام پر آیا۔ سید نذیر نیازی اس نام کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "تشکیل ایک نئی فکر کی تشکیل ہے ۔ الہیات عقل اور ایمان کا وہ نقطۂ اتصال ہے جس کی بناء علم پر ہے اور اسلام محسوس حقائق کی اس دنیا میں زندگی کا راستہ ہے"۔

عنوان کی اس تشریح سے علامہ کے ان خطبات کے موضوع پر روشنی پڑتی ہے۔ اسلامی فلسفے کی دنیا میں ان خطبات کے مقام کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہےکہ ڈاکٹر انا میری شمل Dr.Annemarie Schimmel نے اپنی معروف تصنیف Gabriel's Wing میں اور ڈاکٹر سید حسین نصر نے خطبات کے فارسی مقدمے میں ان خطبات کو دوسری احیائے علوم الدین کہا ہے یعنی جس طرح امام غزالی نے احیائے علوم الدین میں اپنے زمانے کے تمام فلسفوں کا جائزہ لیتے ہوئے عقل اور فلسفیانہ بنیادوں پر اسلام کی برتری ثابت کی تھی ۔ وہی کام اس دور میں علامہ اقبال نے کیا ہے۔

اقبال نے محسوس کیا کہ عہد جدید کے فکری مسائل عہد قدیم کے فکری مسائل سے بالکل مختلف ہیں۔ ماضی میں مذہب اور فلسفہ کے درمیان آویزش تھی اور یہ خالص تصورات کی آویزش تھی۔ لیکن جدید عہد میں جہاں ایک طرف قدیم مذہبی فکر اور جدید فکروفلسفہ میں تصادم ہے وہیں سائنی علم سےبھی جن کی بنیاد مشاہدہ وتجربہ پر ہے، مذہب ہم آہنگ نہیں ہے ۔ چنانچہ بہت سے اصحاب علم مذہبی عقائد کے بارے میں تشکیلی ذہن رکھتے ہیں۔ ان کے ذہنوں سے شک کا کانٹا

Edit with WPS Office

نکالنے میں ہمارے قدیم علوم کی افادیت مشکوک ہے۔

اقبال کا خیال ہے کہ جس طرح قدیم علم کلام اپنی محدود افادیت کے باوجود عہد حاضر کی فکر کے پیدا کر دہ سوالات کا جواب دینے سے قاصر ہے اسی طرح قدیم تصوف بھی جس نے بلاشبہ مذہبی تجربے کی قدیم روایت کو آگے بڑھایا ہے ۔ اپنے قدیم انداز فکر اور پیچیدہ مصطلحات کی وجہ سے عہد جدید کے انسان کے لیے نا قابل فہم ہے۔ اُن کے الفاظ ہیں:

"The more genuine school of Sufism have, no doubt done good work in shaping and directing the evolution of religious experience in Islam, but their later day representatives, owing to their ignorance of the modern mind have become absolutely incapable of receiving any fresh inspiration from modern thought and experience. They are perpetuating methods which were created for generations posessing a cultural outlook differing in important respects from our own."

اس صورت حال کے پیش نظر اقبال کا خیال ہے کہ اسلام کے پورے فکری نظام پر ازسرنو غور وفکر کی ضرورت ہے۔ عہد جدید کا یہ اہم ترین تقاضہ ہے کہ اسلامی افکارکو جدید فکر کی روشنی میں پیش کیا جائے۔ وہ لکھتے ہیں :

"In these lectures I have tried to meet, even though partailly, this urgent demand by attempting to reconstruct Muslim religious philosophy with due regard to the philosophical tradition of islam and the more recent developments in the various domains of human knowledge."

اقبال کے ذہن میں اسلامی فکر کی تشکیل جدید کا خیال اس وجہ سے بھی آیا کہ عہد جدید کے انسان کی توجہ تصورات سے زیادہ اشیاء وحوادث (Concrete Thing)کی حقیقت یعنی اس کے روابط و قوانین حدوث کی دریافت پر مرکوز ہے۔

علامہ اقبال بلاشبہ دانش قرآنی سے متاثر تھے۔ وہ مغربی فلسفیانہ افکار ، جدید نظریات اور سائنسی انکشافات سے قطعاً مرعوب نہ تھے اور وہ دنیا کے تمام نظام ہائے حیات پر دین اسلام کی فوقیت کا یقین کامل رکھتے تھے۔ مذہب کو چند غیر عقلی اعتقادات و تبرکات کا مجموعہ سمجھنے کی جس غلطی میں مادہ پرست فکر کے حامل فلسفی اکثر گرفتار ہو جاتے ہیں۔ اقبال نے ان کے افکار پر کڑی تنقید کی ہے اور بتایا ہے کہ دین یا اسلام ایک فعال تمدنی قوت کا نام ہے جو انسانی زندگی کی تمام عملی وفکری ضروریات میں اس کی رہنمائی کا فرض ادا کرتا ہے

Edit with WPS Office

اور اسی بحث کے دوران میں وہ وسیع پیمانے پر فلسفہ ، مابعدالطبیعات ، تاریخ ، نفسیات، طبیعات اور ریاضیاتی سائنس کے مشہور نظریات کا جائزہ لیتے ہیں۔ ان مباحث میں اُن کا رویہ آزادانہ تنقید کا ہے ۔ ان علوم کی نفی کر نا اُن کا مقصد نہیں بلکہ معقول تفہیم و تشریح کے ذریعے اُن کی حدود کا تعین ہے۔ اس طرح علامہ اقبال ذات و کائنات کے مسائل کے حل کے لیے روحانی واردات ، مذہبی تجربہ اور وجدانی حقائق سے بحث کرتے ہیں اور مختلف عنوانات کے تحت ان مباحث کو اپنے ساتوں خطبوں پر پھیلا کر نوع انسانی کی فکری رہنمائی کی کوشش کرتے ہیں۔ جس کے لیے 1908ء میں یورپ سے واپسی کے بعد سے 1938ء میں انتقال تک کے پورے عرصے میں وہ مسلسل بے تاب رہتے ہیں۔ اردو شاعری ، پھرفارسی شاعری اور پھر انگریزی کے یہ خطبات سب اسی حکیمانہ شعور کو الفاظ کا جامہ پہنانے کی کوشش ہیں جو اقبال کو مسلسل غور وتد بر اور فکر وذکر سے حاصل ہوا۔ ان خیالا ت کی ترتیب واظہار میں علامہ اقبال نے کس قدر دکھ اُٹھایا اور کیسے کیسے یاس انگیز لمحات میں انہوں نے اپنے دل میں جلنے والے اس الاؤ کو سرد ہونے سے بچانے کے لیے انہوں نے جدو جہد جاری رکھی ، اس کا کچھ اندازہ 1909ء سے 1920ء تک کے ان خطوط سے ہو سکتا ہے جو انہوں نے اس عرصے میں اپنے دوستوں کو لکھے ۔ 1909ء کے ایک خط میں لکھتے ہیں: "وہ خیالات جو میری روح کی گہرائیوں میں ایک طوفان بپا کیے ہوئے ہیں، عوام پر ظاہر ہوں تو پھر مجھے یقین واثق ہے کہ میری موت کے بعد میری پرستش ہوگی۔ دنیا میرے گناہوں کی پردہ پوشی کرے گی اور مجھے اپنے آنسوؤں کا خراج عقیدت پیش کرے گی"۔ خیالات کے اظہار کی یہ تڑپ بالآخر 1920ء تا 1929ء میں ان خطبات کے لکھنے کا سبب بنی۔ ان خطبات کے عنوانات یوں ہیں:

1۔ علم اور مذہبی مشاہدات
2۔ مذہبی مشاہدات کا فلسفیانہ معیار
3۔ ذات الہیہ کا تصور اور حقیقت دعا
4۔ جبر اور حیات بعد الموت،خودی
5۔ اسلامی ثقافت کی روح
6۔ الاجتہاد فی الاسلام
7۔ کیا مذہب کا امکان ہے؟

پہلے خطبے علم اور مذہبی مشاہدات میں کائنات کی حقیقت اور کائنات کی تغیر پذیری میں انسان کا منصب، کائنات اور خدا، کا ئنات اور انسان، انسان اور خدا کے باہمی رشتوں کا ذکر کرتے ہوئے اقبال کائنات کے بارے میں فلسفہ اور مذہب کے رویہ کا جائزہ لیتے ہیں۔ فلسفہ اور مذہب کے مشترک اور غیر مشترک امور سے بحث کرتے ہیں ۔ پھر ظاہر اور باطن یعنی مرئی اور غیر مرئی حقائق یا عالم محسوسات اور عالم اقدار وارواح کے بارے میں مختلف مذہب کا طرز عمل بیان کرکے بتاتے ہیں ۔ قرآن مطالعہ النفس وآفاق پر کیوں زور دیتا ہے۔ پھر حقیقت تک رسائی کے ذرائع کی حیثیت سے عقل اور وجدان پر بحث کرتے ہیں ۔ اقبال عقل و

Edit with WPS Office

وجدان اور فکر وایمان کو ایک دوسرے کا معاون قرار دیتے ہیں۔وہ ان دونوں کی آمیزش کو مادی اور روحانی زندگی کے لیے لازم تصورکرتے ہیں۔ کیوں کہ یہ دونوں ہماری ظاہری اور باطنی زندگی کے ترجمان ہیں۔عقل کا آفاق یعنی مادی دنیا اور وجدان ومذہب کا انفس یعنی روحانی اور باطنی زندگی کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ اقبال کا ماننا ہے کہ عقل ووجدان میں کوئی آمیزش نہیں دونوں کا ایک ہی منبع وماخذ ہےاور دونوں ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ اول الذکر حقیقت کو مختلف اجزا میں تقسیم کرکے ایک وقت میں صرف اس کے ایک جز کا مطالعہ کرتی ہے۔ایک کی نظر حقیقت کلی کے زمانی پہلو Temporal Aspects of Realityپر اور دوسرے کی نگاہ اس کے سرمدی پہلو Eternal Aspectپر مرکوز ہوتی ہے۔ وجدان کے لیے کل حقیقت، حقیقت حاضرہ ہے اور اس سے پوری طرح بہرہ اندوز ہوتی ہے جب کہ عقل کا سفر تدریجی ہے لیکن تجدید باہمی Mutual Rejuvenations کے لیے دونوں ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ برگساں نے بالکل صحیح کہا ہے کہ وجدان بلندتر عقل ہی کا نام ہے۔

عقل اور مذہب (وجدان) کے اس لازمی رشتے کی وضاحت کے بعد اقبال ایک قدم آگے بڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسلام کی فطرت میں عقلیت کے عناصر موجود ہیں اوراس کا ظہور خود نبی ﷺ کی زندگی میں ہوچکا تھا۔ اقبال اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ :

"اسلام میں عقلی بنیادوں کا سلسلہ رسول کریم ﷺ کی ذات بابرکات سے شروع ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ یہ دعا مانگا کرتے تھے ۔ اللهُمّ ارني حقائق الأشياء كمَا هِيَ (اے اللہ تو مجھے چیزوں کی اصلیت سے آگاہ کر)"

اس اقتباس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام معقولیت پسندی کا دشمن نہیں بلکہ وہ اسے اشیائے کائنات کی حقیقت کے انکشاف کے لیے استعمال کرنا چاہتا ہے۔

اقبال کا ئنات کے بارے میں دین و دانش، مذہب و فلسفہ اور ایمان وعقل کے نقطہ ہائے نگاہ کو بیان کرنے عقل و وجدان کے باہمی تعلق پر روشنی ڈالنے اور حقیقت مطلقہ کے ظاہری اور باطنی پہلوؤں پر تبصرہ کرنے کے بعد فلسفہ یونان او اسلام کا تقابلی مطالعہ کرتے ہیں۔ ہم اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ فلسفہ یونان نے تاریخ اسلام پر بہت گہرا اثر ڈالا ہے۔ وہ اس فلسفہ کے محاسن و معائب کو گناتے ہوئے کہتے ہیں :

"اس میں کوئی شک نہیں کہ فلسفہ یونان نے مسلمان مفکرین کے نقطۂ نظر میں وسعت پیدا کردی تھی۔ لیکن مجموعی طور پر اُس نے اُن کی قرآنی بصیرت کو دھندلا دیا تھا۔ سقراط نے اپنی توجہ صرف انفس پر مرکوز کی تھی ۔ اس کی رائے میں پودوں ، حشرات الارض اور ستاروں کی دنیا ہیچ تھی وہ کائنات میں صرف انسان کی ذات کو لائق مطالعہ خیال کرتا تھا۔ سقراط کا یہ خیال روح قرآنی کے کس قدر خلاف ہے۔“

Edit with WPS Office

اس خطبے کے آخر میں اقبال نے یہ سوال اُٹھایا ہے کہ روحانی تجربہ کی صداقت کوتسلیم کرنے کے باوجود ایک شخص پوچھ سکتا ہے کہ جب روحانی تجربہ ایک تاثر کی حالت (State of Feeling) ہے اور اس میں علم بھی موجود ہے اور اس کو دوسروں تک منتقل کیا جاسکتا ہے تو کسی دوسرے شخص کے لیے وہ کیوں کر قابل قبول ہوسکتا ہے جس نے یہ تجربہ کیا ہی نہیں۔ وہ دریافت کرسکتا ہے کہ جو تجربہ میرے سامنے تصدیق کے لیے پیش کیا جارہا ہے اس کی صداقت کی کیا ضمانت ہے، کیا ہمارے پاس اس کی درستی (Validity) کو پرکھنے کے لیے کوئی مضبوط کسوٹی ہے ؟ اگر ذاتی تجربے پر مذہب کی سچائی کامدار ہوتا تو وہ چند ہی افراد تک محدود ہوتا۔ اقبال کی رائے میں صوفی اور پیغمبر کی وجدانی کیفیت میں بہت بڑا فرق ہے۔ کیوں کہ اس وجدانی کیفیت کے ختم ہونے پر پیغمبر بنی نوع انسان کے لیے پیغام انقلاب لے کر آتا ہے لیکن اس کے برعکس صوفی کے سامنے صرف اپنی ذات ہوتی ہے۔ وہ صوفیانہ تجربات و مشاہدات کے خصائص واضح کرنے کے بعد اس بات کو دہراتے ہیں کہ صوفیانہ تجربہ بھی علم کا حقیقی ، مفید اور اہم ذریعہ ہے۔

اقبال نے دوسرے خطبے میں اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ حقیقت مطلقہ کا ادراک عقلی استدلال کے ذریعے ممکن نہیں ہے کیوں کہ عقل حقیقت کو اجزاء میں تقسیم کر دیتی ہے۔ ادراک خدا کا ذریعہ روحانی تجربہ ہے۔ خطبے کا آغاز وجود باری تعالی کے اثبات سے ہوتا ہے۔ علم کلام کے ماہرین نے ہستی باری تعالی کے اثبات میں تین طرح کے دلائل دیے ہیں۔

1- کائنائی دلیل (Comsological Argument)
2- غایتی دلیل (Teleological Argument)
3- وجودیاتی دلیل (Ontological Argument)

اقبال نے ان کلامی دلائل پر نقد کیا ہے لیکن دلائل کی تفصیل نہیں کی ہے۔ کائناتی دلیل یہ ہے کہ ہر حرکت کے لیے ایک محرک کا وجود لازمی ہے۔ بالفاظ دیگر ہر معلول کے لیے ایک علت ناگزیر ہے۔ اس فلسفے کی رو سے ایک چیز دوسری چیز کے وجود کا باعث بنتی ہے۔ پھر وہ دوسری چیز کسی اور چیز کو جنم دیتی ہے۔ اسی طرح علت و معلول کا یہ سلسلہ جاری رہتا ہے اور آخر کار یہ سلسلہ خُدا پر جا کرختم ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ وہ سب غایتوں کی غایت اولی ہے۔ اس قسم کے استدلا ل کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ یہ خود اپنے ہی اصول کی تردید کرتا ہے کیوں کہ یہ سلسلہ علت و معلول کو خدا پرختم کر دیا ہے ۔ فلسفیانہ نقطہ نظر سے خدا بھی تو کسی علت کا معلول ہو سکتا ہے اور اگر نہیں تو یہ اصول ہی غلط ہو جاتا ہے۔ اس استدلال کی دوسری خامی یہ ہے کہ وہ خدا کو محدود کرتا ہے کیوں کہ محدود معلول محدود علت کی ترجمانی کرتا ہے۔ ان وجوہات کی بنا پر کوئی استد لال ہمارے دل و دماغ میں خدا کی ہستی کا یقین کامل پیدا نہیں کر سکتا۔

Edit with WPS Office

غایتی دلیل کا تعلق کا ئنات اور اس کی اشیاء میں غیر معمولی نظم و ترتیب اور حیات و جمال کی موجودگی سے ہے ۔ آپ اس عالم رنگ و بو کی جس چیز کو بھی غور سے دیکھیں اور اس کے باطن کا مطالعہ کریں تو صاف محسوس ہو گا کہ اس میں عقل کو حیرت میں ڈال دینے والا ایک نظام عمل کار فرما ہے۔ اس کا نظم و قانون اس درجہ مستحکم ہے کہ کبھی اس کے خلاف کوئی عمل یا واقعہ ظاہر نہیں ہوتا۔ خود انسان کا اپنا وجود اس نظم و قانون اور مقصدیت کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہے۔ آنکھ، کان، ناک، منہ، قلب، دماغ ، غرض کہ جس عضو بدن کی ساخت اور نظام عمل کو غور سے دیکھیں ہر جگہ ایک مخصوص غایت کی کارفرمائی نظر آتی ہے اور تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ حیرت انگیز نظامِ عمل کسی بلند و برتر ذہن کا زائیدہ ہے۔ ظاہر ہے کہ کائنات کے ہر گوشے میں نظم و ترتیب اور مقصدیت کے آثار و شواہد ایک ایسی ہستی کی خبر دیتے ہیں جو علم وحکمت میں منتہائے کمال کو پہنچی ہوئی ہے۔

خدا کی ہستی کے بارے میں تیسری دلیل وجودیاتی دلیل ہے جسے مختلف مفکرین نے مختلف شکلوں میں پیش کیا ہے۔ اس وجودیاتی استدلال کی رُو سے خدا کا تصور ہی اُس کی ہستی کا واضح ثبوت ہے۔ اس فلسفہ خیال کے حامیوں کی رائے میں اگر خدا موجود نہ ہوتا تو اس کا تصور بھی ہمارے دل و دماغ میں جاگزیں نہ ہوتا۔ جب تک کوئی چیز موجود نہ ہو اس کا تصور ناممکن ہے۔

اقبال کے خیال میں وجودیاتی استدلال کائناتی استدلال سے ملتا جلتا ہے کیوں کہ جس طرح اس میں خدا کو تمام علتوں کی آخری علت پہلے سے فرخ کر لیا جاتا ہے اسی طرح وجودیاتی استدلال میں خدا کے وجود کو بھی پہلے سے ہی فرض کیا جاتا ہے۔

ان دلائل پر بحث کرنے کے بعد اس خطبہ کے اختتام پر اقبال دعا کی اہمیت بیان کرتے ہوئے اور فلسفہ اور مذہب کا مقابلہ کرتے ہوئے مذہب کو فلسفے پر ترجیح دیتے ہیں کیوں کہ فلسفہ حقیقت کاملہ کو دور سے دیکھتا ہے اس کے برعکس مذہب اس حقیقت سے قرب واتصال چاہتا ہے اس کے علاوہ فلسفہ صرف افکار ونظریات پر مشتمل ہوتا ہے لیکن مذہب زندہ تجربے کا نام ہے اس میں فکر کے علاوہ عمل ویقین بھی شامل ہوتا ہے۔ فلسفے کو پستی سے بلند مقام تک جانے کے لیے ذکر وقرب خدا کی ضرورت ہے،اسے مذہب کی اصطلاح میں دعا کہا جاتا ہے گویا کہ علامہ اقبال فکر وذکر کے امتزاج کے حامی ہے۔

خطبہ سوم جس کا عنوان (The Concept of God and the meaning of Prayer) ذات الہیہ کا تصور اور حقیقتِ دعا ہے۔ اس خطبہ میں اقبال نے مندرجہ ذیل امور پر بحث کی ہے:

1- مذہبی حقائق کی عملی تعبیر کیا ہے؟
2- مردِ کامل یا انائے مطلق کی صفات کیا ہیں؟ اسلامی تصورِ خدا کیا ہے؟

Edit with WPS Office

3. نظر یہ تخلیق کا ئنات کیا ہے؟ نظریہ ارتقا کا بیان۔
4. فلسفہ زمان و مکان ۔ خودی اور زمانے کا کیا تعلق ہے؟
5. فلسفہ جبر و قد رو غیرہ۔

اس خطبہ کی ابتدا میں اقبال نے اس حقیقت کی پردہ کشائی کی ہے کہ مذہبی واردات اور روحانی کیفیات کافی حدتک عقلی معیار پر پوری اترتی ہیں ۔ ان تمام واردات کی اساس ایک ایسی تخلیقی مشیت ہے جو عقل و حکم کا دروازہ کھولتی ہے۔اس قسم کی ہستی کو ہم انائے مطلق کہتے ہیں۔ اقبال نے اس اہمت کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ مذہبی حقائق و معارف کی عقلی تعبیر و تشریح ممکن ہے۔ علاوہ ازیں انھوں نے انائے مطلق یا ذات غیر محدود کی صفات کو قرآنی نقطہ نظر سے بیان کیا ہے۔ اس ضمن میں انھوں نے سورہ اخلاص اور سورہ نور کا حوالہ دیا ہے۔ اس کے بعد انھوں نے نظریہ تخلیق کائنات پر اظہار خیال کیا ہے۔ اس سلسلے میں ارسطو اور اشاعرہ کے نظریات کا تقابلی مطالعہ کیا گیا ہے۔ مادیت اور روحانیت کے اہم موضوع کو زیر بحث لاتے ہوئے اقبال نے ہر لحاظ سے کائنات کی اصل روحانیت (Spiritual) ثابت کی ہے۔ زمان ومکان کے مسئلے پر روشنی ڈ التے ہوئے انھوں نے ارسطو، زینو، اشاعرہ، جلال الدین دوّانی، عراقی، رازی، برگساں وغیرہ کے افکار عالیہ کے محاسن ومعائب بیان کیے ہیں۔ زمان ومکان کی بحث کے دوران انھوں نے خودی کے موضوع کے بارے میں اظہار خیال کی ہے۔ زمان ومکان کائنات اور خدا کے ساتھ خودی کے باہمی ربط کی نوعیت کا بھی ذکرکیاگیاہے۔ خودی کی اہم صفات مثلاً خلوت و جلوت، خلاقی صفات اور اختیار کا تذکرہ چھیڑا گیاہے۔اس کے بعد اقبال نے چند اقبال چند درست اور خلاقی کی اہمیت وافادیت کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

انسان کی عظمت کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قرآن کے مطالعے سے تین باتیں بالکل واضح دکھائی دیتی ہیں ۔ پہلی یہ کہ انسان خدا کی برگزیدہ مخلوق ہے ۔ دوسری یہ کہ انسان اپنی تمام کوتا ہیوں کے باوجود زمین پر خدا کا نائب ہے۔ تیسری اہم ترین بات یہ ہے کہ انسان آزاد شخصیت کا امین ہے۔ اس خطبے میں وہ ماضی سے رشتہ منقطع کیے بغیر اسلامی تعلیمات کو جدید علوم کی روشنی میں بیان کرنے کی ضرورت پر زور دیتے ہیں، اور پھر خودی کی وضاحت کی طرف آجاتے ہیں ۔ وہ کہتے ہیں کہ خودی وابستہ مکان نہیں ہے۔ مثلاً یہ کہنا ممکن نہیں کہ تاج محل کے حسن و جمال کے بارے میں میرا جذبہ تحسین آگرہ سے مسافت کے مطابق بدلتا رہتا ہے۔

اسی طرح زمان بھی خارجی دنیا میں ماضی، حال اور مستقبل کی صورت اختیار کرنے کے باوجود اندرونی دنیا میں نا قابل تقسیم ہوتا ہے۔ اقبال کہتے ہیں کہ خلوت پسندی خودی کی یکتائی کا اظہار ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ شعوری تجر بہ خودی کے روحانی جوہر کا صحیح سراغ نہیں دے سکتا لیکن اس کے باوجود شعوری تجربے کی تعبیر ہی وہ شاہراہ ہے جس پر چل کر ہم خودی کی منزل تک

Edit with WPS Office

پہنچ سکتے ہیں۔ اقبال کے لیے یہ امر موجب حیرت ہے کہ مسلمان فلاسفہ نے انسانی شعور کی وحدت میں کبھی دلچسپی نہیں لی۔ حالانکہ انسانی نفس کی یہ وحدت انسانی شخصیت کے لیے مرکز کی حیثیت رکھتی ہے ۔ علاوہ ازیں مسلمان حکماء نے یونانی فلسفے سے متاثر ہو کر روح کو مادے کی ایک لطیف شکل قرار دیا تھا جو جسم کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہے اور جسے قیامت کے دن دوبارہ تخلیق کیا جائے گا ۔ گویا مسلمان فلاسفہ بھی غیر اسلامی تصورات کے زیر اثر روح اور مادے کی ثنویت کے قائل ہو گئے تھے۔ یہ تصورات اپنے آغاز وارتقا میں مجموعی طور پر مجوسی الاصل ہیں۔ اقبال کسی طرح بھی جسم و جان اور روح اور مادے کی ثنویت میں یقین نہیں رکھتے ۔ اقبال کی رائے میں یہ دونوں چیزیں ایک ہی حقیقت کے دو پہلو ہیں۔

پانچویں خطبے "اسلامی ثقافت کی روح" میں اقبال اسلامی کلچر کی روح کا ذکر کرتے ہیں اور نبوت اور ولایت کا فرق واضح کرتے ہیں ۔ ولی کا منتہائے مقصود صرف ذات ربانی سے وصال ہے لیکن نبی اس صعود کے بعد ہدایت عامہ کے لیے نزول کرتا ہے ۔ اس خطبے کا آغاز مشہور صوفی عبدالقدوس گنگوہی کے اس قول سے ہوا ہے ۔"محمد عربی ﷺ آسمان کی انتہائی بلندیوں تک پہنچ گئے اور واپس آگئے ۔ خُدا کی قسم اگر میں اس بلندی تک گیا ہوتا تو کبھی زمین پر واپس نہیں آتا"۔

اس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے اقبال نے لکھا ہے کہ ایک پیغمبر اور صوفی کے شعوری تجربے میں نفسیاتی اعتبار سے جو فرق ہے وہ عبدالقدوس گنگوہی کے مذکورہ الفاظ سے بالکل واضح ہے ۔ صوفی روحانی تجربے کی بلندیوں تک پہنچتا ہے اور وہاں سے فراغ خاطر کی جس نعمت سے بہرہ اندوز ہوتا ہے اس حالت اور مقام سے وہ کبھی جدا ہونا پسند نہیں کرتا اور اگر کبھی ان مقامات بلند سے اترتا ہے تو خدمت انسانیت کے نقطہ نظر سے اس کی یہ واپسی کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتی ۔ اس کے بر خلاف پیغمبر روحانی تجربے کے انتہائی بلندیوں تک جانے کے باوجود واپس آتا ہے اور اس کی یہ واپسی تمام تر تخلیقی نوعیت کی ہوتی ہے ۔ اس کا پیغام انقلاب انگیز ہوتا ہے، وہ تاریخ کا رخ بدلتا ہے اور دنیا کو نئے تصورات سے آشنا کرتا ہے۔ وہ چاہتا ہےکہ اپنے روحانی تجربے کو ایک زندہ اور متحرک ع المگیر قوت میں تبدیل کرے۔

اقبال کہتے ہیں کہ پیغمبر اسلام دنیائے قدیم اور دنیائے جدید کے درمیان کھڑے ہوئے دکھائی دیتے ہیں ۔ وہ اپنے الہام کے سرچشمے کی بدولت عالم قدیم سے متعلق ہیں، لیکن اپنی الہامی سیرت کی وجہ سے عصر حاضر سے مربوط ہیں۔ اُن کی بدولت زندگی نے اپنی نئی سمتوں کے مناسب علوم اور نئے سرچشمے دریافت کیے ۔ دراصل اسلام کا ظہور استقرائی عقل کا ظہور ہے ۔ وہ فقہ کو اسلام کی اصل قوت قرار دیتے ہیں۔ جو اسے سب زمانوں کے لیے کافی بنا دیتا ہے۔

Edit with WPS Office

تصوف اور شریعت میں فرق واضح کرنے کے بعد اقبال عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت و عظمت پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں ۔ وہ ختم نبوت کے عقیدے کو اسلامی تعلیمات کا اہم جزء تصور کرتے ہیں۔ انہوں نے ختم نبوت کے نظریے کی ثقافتی قدر و قیمت کو بڑے ہی دلنشین اور موثر انداز میں بیان کیا ہے۔ شعور نبوت دراصل وہ شعور ہے جو اپنی حدود سے تجاوز کر کے ثقافتی زندگی کی تشکیل جدید اور راہنمائی کے لیے نئے نئے مواقع تلاش کرتا رہتا ہے۔ نبوت کی اہمیت کے بارے میں اظہار خیال کرنے کے دوران اقبال نے وحی کے وسیع استعمال پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

وحی اور ختم نبوت کی بحث کے بعد ا قبال نفس موضوع کی طرف آتے ہیں یعنی اسلامی کلچر کی روح ۔ اس سلسلے میں اقبال کی بحث جامع اور مدلل ہے۔ اسلامی کلچرکی بنیادی خصوصیات یہ ہے کہ اس نے مطالعہ کا ئنات میں عقل وفکر کی اہمیت کو واضح کیا اور خارجی کائنات اور اس کے آثار و شواہد پرغور و فکر کی تلقین کی۔ اس کا تصورِ حیات وکائنات حرکی ہے۔ اس کے علاوہ قرآن مجید اقوام وملل کی تاریخ کے مطالعہ پر بھی زور دیتا ہے۔ قرآن حکیم کی رو سے حصول علم کے تین اہم ماخذ ہیں :

باطنی مشاہدات، مطالعۂ فطرت اور تاریخ۔ قرآن مجید کا ایک بڑا حصہ مطالعہ انفس و آفاق کی دعوت اور اقوام عالم کی تاریخ پر مشتمل ہے اور دونوں جگہ مقصود ایک ہے یعنی حقیقت الحقائق تک رسائی اور اخروی زندگی کا احقاق۔ الغرض اس خطبے میں علامہ اقبال نے اسلامی ثقافت کی نمایاں ترین خصوصیات پر بڑی شرح وبسط کے ساتھ بحث کی ہے۔ اس ضمن میں انہوں نے فلسفہ یونان اور مغربی ثقافت کے بھی نقائص بیان کیے ہیں۔

چھٹے خطے کا عنوان ہے "الاجتہاد فی الاسلام" یہ خطبہ اقبال نے The Principle of Movement in the Structure of Islam کے عنوان سے دیا تھا۔ اس خطبے کا مرکزی خیال اجتہاد، اس کی ضرورت اور تقاضے ہیں۔ اقبال کی نگاہ میں اسلام اپنے حرکی نظریۂ حیات اور تصور تو حید کی وجہ سے تمام زمانوں پر محیط اور بنی نوع انسان کی وحدت کا ذمہ دار ٹھہرتا ہے۔ اس لیے اسلام ہی کسی قوم کو قیادت اقوام کے اہل بناتا ہے۔ اقبال اسلام میں فقہی جمود کا جائزہ لیتے ہیں اور اس کے اسباب میں عقل پرستی کی تحریکوں، راہبانہ تصوف اور سیاسی انتشار کا ذکر کرتے ہیں۔ وہ بتاتے ہیں کہ دین اور سیاست دو مختلف حقیقتیں نہیں بلکہ اسلام کی واحد حقیقت کے ستون ہیں ۔ وہ عقیدہ توحید کو بنی نوع انسان کی وحدت کا ذریعہ قرار دیتے ہیں، جو مصنوعی امتیازاتِ رنگ ونسل وغیرہ کومٹا کر ساری انسانیت کو ملت واحدہ بنا سکتا ہے۔ پھر وہ قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس یعنی ادلہ شرحیہ پر بحث کرتے ہیں ، جن کی وجہ سے اسلام کا ہر زمانے اور کل انسانیت کے لیے منبع ہدایت ہونا ممکن ہے۔

Edit with WPS Office

ساتویں خطبے کا عنوان " کیا مذہب کا امکان ہے" (Is Religion Possible) ہے جس میں علامہ اقبال نے مذہبی ، صوفیانہ سائنسی فلسفیانہ اور نفسیاتی مسائل کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے ۔ انہوں نے شروع میں مذہبی زندگی کے تین مراحل یعنی ایمان ، فکر اور انکشافِ ذات پر روشنی ڈالی ہے ۔ دورِ ایمان دین اور شریعت سے تعلق رکھتا ہے ۔ دور تفکر فلسفہ اور حکمت سے متعلق ہے اور دور انکشاف ذات ، نفسیات اور تصوف سے بحث کرتا ہے۔

مندرجہ بالا موضوعات کی تشریح کرنے کے بعد اقبال مابعد الطبیعات کے بارے میں فلسفے اور مذہب کا تقابلی مطالعہ کرتے ہیں ۔ وہ اس سلسلے میں کانٹ کے نظریات پر تنقید کرتے ہوئے عراقی اور محی الدین عربی کے تصورات بھی پیش کرتے ہیں۔ کانٹ نے سب سے پہلے سوال اٹھایا تھا کہ کیا ما بعد الطبیعات ممکن ہے۔

اس نے اس سوال کا جواب نفی میں دیا تھا۔ اُس نے ما بعد الطبعیات کو بے معنی قرار دیا تھا کیوں کہ اس کی رائے میں محسوسات کے دائرہ عمل سے باہر کوئی تجربہ ممکن ہی نہیں، چوں کہ مابعد الطبیعات کے مسائل لازمی طور پرمحسوسات سے متعلق نہیں ہوتے ۔ اس لیے ان کا وجود قابل قبول نہیں۔

سائنس اور مذہب کے مقامات اختلاف کا ذکر کرنے کے بعد اقبال رومی کے نظریہ ارتقاء جائیت پر مبنی خیال کرتے ہوئے یورپ کے تصور ارتقا کو ناقص اور قنوطیت پر منحصر قرار دیتے ہیں ۔ اسلامی نظریہ ارتقا نے انسان کے حیاتیاتی مستقبل کے بارے میں رومی کے جوش وخروش کو جنم دیا۔ اس کے برعکس یورپی تصور ارتقا نے انسان کو مایوسی اور ذہنی اضطراب کا شکار بنادیا ہے۔ اس خطبہ کے آخر میں اقبال خودی کے موضوع پر بھی رائے زنی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حقیقت مطلقہ کی جستجو میں خودی کو کئی مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ خودی کا حقیقی نصب العین فکر کے بجائے عمل ہے۔ اپنی انفرادیت کو گم کرنے کے بجائے خودی کو اپنے استحکام اور بقا کے لیے کوشاں ہونا چاہیے ۔ آخر میں اقبال خودی کی اہمیت اور اس کے مدارج کو واضح کرنے کے لیے جاوید نامہ کے چند اشعار بطور مثال پیش کرتے ہیں ۔ الغرض اس لیکچر میں علامہ موصوف نے ہر ممکن ذریعے سے مذہب کے امکان، اہمیت، عظمت اور افادیت کو کھول کر بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔

4. **خطبہ برائے مطالعہ :**

ساتواں خطبہ : کیا مذہب کا امکان ہے؟

اجمالاً پوچھے تو مذہبی زندگی کی تقسیم تین ادوار میں ہوجاتی ہے۔ جن میں ہر دور کو ایمان فکر اور معرفت کےادوار سےتعبیر کیا جاسکتا ہے۔ پہلا دور ایمان کا ہے، دوسرا فکر اور تیسرا عرفان کا۔ دور اول کی خصوصیت تو یہ ہے کہ اس میں مذہب کا ظہور ایک ایسے نظم وضبط کی شکل میں ہوتا ہے جیسے افراد ہوں، یا اقوام ایک حکم کے طور پر اور اس لیے بے چوں و چرا قبول کر لیتے ہیں۔

Edit with WPS Office

انہیں اس امر سے بحث نہیں ہوتی کہ اس نظم و ضبط کی حکمت از روئے عقل و فکر کیا ہے اور مصلحت کیا۔ سیاسی اور ملکی اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ طرز عمل قوموں کی تاریخ میں بڑے بڑے دور رس اور وقیع نتائج کا باعث ہوتا ہے لیکن جہاں تک افراد کی اندرونی نشونما اور وسعت ذات کا تعلق ہے اس پر اس سے کوئی خاص اثرات مرتب نہیں ہوتے۔ نظم وضبط کی پوری پوری اطاعت کے بعد وہ زمانہ آتا ہے جب لوگ عقلاً اس پر غور کرتے اور سمجھنا چاہتے ہیں کہ اس کا حقیقی سر چشمہ کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور میں مذہب کو کسی ایسی مابعد الطبیعات کی جستجو رہتی ہے جو اس کے لیے اساس کا کام دے سکے۔ یعنی منطقی اعتبار سے کائنات کے کسی ایسے نظریے کی جو تضاد و تناقض سے پاک ہو اور جس میں خدا کے لیے بھی کوئی جگہ ہو۔ لیکن تیسرا دور آتا ہے تو مابعد الطبیعات کی جگہ نفسیات کے لیے خالی ہوجاتی ہے اور انسان کو یہ آرزو ہوتی ہے کہ حقیقت مطلقہ سے براہ راست اتحاد و اتصال قائم کرے۔ چنانچہ یہی مرحلہ ہے جس میں مذہب کا معاملہ زندگی اور طاقت و قدرت کا معاملہ بن جاتا ہے اور جس میں انسان کے اندر یہ صلاحیت پیدا ہوتی ہے کہ ایک آزاد اور با اختیار شخصیت حاصل کرلے، شریعت کے حدود و قیود کوتوڑ کر نہیں بلکہ خود اپنے اعماق شعور ہیں اس کے مشاہدے سے۔ جیسا کہ صوفیا اسلام میں ایک بزرگ کا قول ہے کہ جب تک مومن کے دل پر بھی کتاب کا نزول ویسے نہ ہو جائے جیسے آنحضرت پر ہوا تھا اس کا سمجھنا محال ہے۔ مذہب کا یہی آخری مرحلہ ہے جس کے پیش نظر اس بحث میں جو اس وقت ہمارے سامنے ہے لفظ مذہب کا استعمال کر رہا ہوں۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس صورت میں تصوف کی اصطلاح اختیار کی جائے تو اسے کوئی اچھی چیز نہیں سمجھا جاتا، کیوں کہ تصوف کے متعلق عام خیال تو یہی ہے کہ اس سے مراد ہے وہ مخصوص ذہنی روش جس کا تقاضا ہے زندگی کی نفی اور حقائق سے چشم پوشی ۔ لہذا اسے عصر حاضر کے اس مطمح نظر سے کیا نسبت جس کا سارا زور ہی محسوسات پر ہے؟ حالاں کہ اپنی اعلی اور ارفع شکل میں مذہب کی حیثیت بھی سرتاسرمحسوسات و مدرکات کی ہے۔ کیوں کہ وہ بھی اپنے رنگ میں ایک ایسی زندگی کی جستجو ہے جس میں اور فراوانی ہو۔ چنانچہ مذہب نے تو سائنس سے بھی بہت پہلے اس حقیقت کو پالیا تھا۔

پھر جیسا کہ ہم سب کو معلوم ہے کانٹ ہی نے سب سے پہلے یہ سوال اٹھایا تھا کہ مابعد الطبیعات کیا ممکن ہے اور کانٹ ہی نے جیسا کہ ہم سب کو معلوم ہے اس کا جواب نفی میں دیا تھا۔ لیکن مابعد الطبیعات کی نفی میں اس نے جو دلائل پیش کئے ہیں ان سے وہ حقائق بھی محفوظ نہیں رہتے۔ اس سے مذہب کو بہت قریب کا تعلق ہے کانٹ کہتا ہے اس سے پہلے کہ موجودات حواس ہمارے علم میں آئیں ضروری ہے کہ وہ ضابطے کی کچھ شرائط پوری کریں۔ ہمارا ان کو شئی کہنا بھی گویا ان کی تحدید کرنا ہے، کیوں کہ ہم ان کو شئی کہتے ہیں تو اس لیے کہ ان میں نظم و ربط پیدا کرسکیں ۔ لہذا ہمارے کسی خیال کے مقابلہ میں اگر سچ مچ کچھ موجود ہے تو

Edit with WPS Office

ہمارے محسوسات و مدرکات کے حلقے سے باہر رہےگا اور اس لیے از روئے عقل ہم اس کی موجودگی کا کوئی ثبوت پیش نہیں کرسکتے ۔ لیکن کانٹ کے اس زور استدلال نے جو فیصلہ صادر کیا ہے ہمیں اس کے صحیح ماننے میں تامل ہے۔ بلکہ اب تو یہاں تک کہا جاسکتا ہے کہ سائنس کے جدید انکشافات کو دیکھئے تو عقلاً بھی الہیات کے ایک مرتب نظام کی تشکیل کچھ زیادہ دشوار نظر آتی جیسا کہ کانٹ کا کبھی خیال تھا ۔ مثلاً سائنس کا یہی اکتشاف کہ مادہ لہروں ہی کی ایک مخفی صورت ہے، یا یہ کہ کائنات فکر ہی کا ایک عمل ہے ،یا یہ کہ زمان ومکان لامتناہی ہیں۔ علی ہذا ہائیزن برگ کا اصول عدم لزوم ، بایں ہمہ مسئلہ زعر بحث کا تقاضہ ہے کہ ہم اس پر زیادہ گہری نظر ڈالیں ۔

5- اکتسابی نتائج :

اس اکائی کے مطالعہ کے بعد آپ نے درجہ ذیل باتیں سیکھیں۔

- ★ اقبال کا ئنات کے بارے میں دین و دانش ، مذہب و فلسفہ اور ایمان و عقل کا نقطہ ہائے نگاہ کو بیان کرنے میں تقابلی مقابلہ کرتے ہیں۔
- ★ علامہ اقبال عقل و عشق کے امتزاج کے حامی ہیں۔
- ★ اقبال کی رائے میں صوفی اور پیغمبر کی وجدانی کیفیت میں بہت بڑا فرق ہے ۔
- ★ علامہ اقبال کے یہ خطبات اسلامی حکمت اور مغربی فلسفہ کا نچوڑ ہیں۔
- ★ علامہ اقبال نے ان خطبات میں موجودہ زمانے کے فکری مسائل اور فلسفیانہ موضوعات پر اسلامی حکمت کے حوالے سے تنقید کی ہے۔
- ★ اقبال نے ان خطبات میں مغرب کے جدید علوم کی روشنی میں حکمت اسلامیہ کے بعض اہم مسائل کی تشریح کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔

6- کلیدی : الفاظ

اظ	:	معنی
روز افزوں	:	دن بہ دن ترقی کرنے والا
نقطہ اتصال	:	دو چیزوں کے ملنے کی جگہ
ادق	:	نہایت باریک
افادیت	:	نفع پہنچانا
مرئی	:	جو دیکھنے میں آئے
غیر مرئی	:	جو آنکھوں سے دکھائی نہ دے،

Edit with WPS Office

ادراک	:	خیالی حقائق کو جاننے کی ذہنی صلاحیت
علت	:	وہ چیز جو کسی دوسری چیز کے وجود کا سبب ہو
معلول	:	وہ چیز جو کسی علت کے نتیجے میں وجود میں آئے
استدلال	:	دلیل پیش کرنا
خلوت	:	تنہائی
استقرائی	:	تلاش و تفحص سے متعلق
محرک	:	حرکت کرنے والا
ملل	:	ملت کی جمع
رجائیت	:	پر امید ہونا
افادیت	:	فائدہ مندی

7. تجویز کردہ اکتسابی مواد :

1۔ خطبات اقبال ۔ایک مطالعہ	الطاف احمد اعظمی
2۔ خطبات اقبال۔ نئے تناظر میں	محمد سہیل عمر
3۔ خطبات اقبال۔ ایک جائزہ	محمد شریف بقا
4۔ خطبات اقبال۔ ترجمہ وتلخیص	ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم
5۔ خطبات اقبال پر ایک نظر	سعید احمد اکبر آبادی

Edit with WPS Office